© rasailojaraid.com

الہامی مدرسہ اوراس کا الہامی مکتبِ فکر

(دوسری قسط)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کے لیے زینہ صرف حکمتِ قاسمیہ ہے جس سے گذرے بغیر آدمی ولی اللّٰہی مدارک تک کما حقہ نہیں پہنچ سکتا، پس شاہ ولی اللہؒ جن علوم کو ذوقی اور کشفی رنگ سے پیش کرتے ہیں، حضرت قاسم العلومؒ اُنہی علوم کو استدلالی رنگ سے سامنے لاتے ہیں، وہ فی الجملہ مانوس مگر شکوک میں پڑے ہوئے لوگوں کو منکر نہیں ہونے دیتے، اور یہ منکروں اور خالص ملحدوں کو قائل کرتے ہیں، وہ آیات وروایات کے ذیل میں اُن کی حکیمانہ تشریح کرتے ہیں اور یہ اپنی حکمت سے منحرفوں کو آیات وروایات کے دروازے پر لا کھڑا کرتے ہیں تاکہ قصرِ مذہب میں وہ بآسانی داخل ہو جائیں، بشرطیکہ یہ حکمت اُن تک پہنچ جائے یا پہنچادی جائے اور جیسے حکمت ولی اللّٰہی الہامی ہے ویسے ہی حکمتِ قاسمیہ بھی الہامی اور علمِ لدنی کا خزانہ ہے اور جیسے حکمت ولی اللّٰہی کے بارے میں خود صاحب حکمت نے اپنے کلام میں صراحت کی ہے کہ وہ الہامی ہے، ذہنی کاوشوں کا نتیجہ نہیں، جس کی وضاحت اور صراحت اِن کے کلام سے گذر چکی ہے، ایسے ہی حکمت قاسمیہ کے بارے میں بھی صاحب حکمت کی تصریحات اُن کے کلام میں موجود ہیں جیسے مصابیح التراویح میں خود فرماتے ہیں کہ:

آنچہ بصفحۂ خاطرمی ریزند برقلم می آرم (جو کچھ میرے صفحۂ دل پر اتارتے ہیں میں اسے سپرد قلم کردیتا ہوں) یا جیسے ''تقریر دل پذیر'' میں مسئلہ تقدیر کی تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کے فلاں مقام پر پہنچ کر قلم رُک گیا اور طبیعت بند ہوگئی تو میں نے اس بارگاہِ عزت کی طرف رُجوع کر کے عرض کیا کہ:

قطرۂ دانش کہ دارستی ز پیش   متصل گردان بدریا ہائے خویش

سو الحمد للہ کہ باب مفتوح ہوگیا اور اب جو کچھ بھی وہ دل میں ڈال رہے ہیں میں اُسے صفحۂ قرطاس پر لا رہا ہوں (اوکمال قال) اسی طرح اور مواقع میں بھی تصریحات ہیں۔ اسی طرح شاہ عبد الغنیؒ کے کلام میں بھی صراحتاً نہیں تو کنایتاً موجود ہے کہ اُن کی حکمتِ تفہیم بھی القائی ہے جیسا کہ نورالدین کو اللہ اللہ کرنے کی تلقین سے معقول کے محسوس بن جانے کی اطلاع کثرتِ ذکر کے عنوان سے دی گئی، جس کے معنی اس کے سوا اور دوسرے نہیں کہ اس وردِ کا وارد والہامِ غیبی ہے جو اُن پر گذرا اور انھوں نے خود چکھ کر دوسرے کو چکھانا چاہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال ایک ہی حکمتِ لدنی ہے جو شاہ ولی اللہؒ پر بالہامِ الٰہی گذری تو اُس نے بیانِ دین میں عقلی رنگ کا جامہ پہنا، شاہ عبدالغنیؒ پر گذری تو اُس نے محسوسات کا پرداز ڈالنے کی نشان دہی کی اور قاسم العلومؒ پر گذری تو اس نے ذوقیات کے بجائے حسّیات اور اُن میں بھی برہانی استدلال کا لباس اختیار کیا اور جیسے جیسے زمانہ کی ذہنیت رنگ بدلتی گئی ویسے ہی ویسے یہ حکمتِ لدنی مختلف لباس اختیار کرتی رہی، جس کا قدر مشترک الہام اور القاء ربانی ہے، یہ ہی القاء جو بانعامِ خداوندی ان بزرگوں کا ذہن بنتا گیا مگر حضرت نانوتویؒ چونکہ ان سب سے مستفید اور ان کے تربیت یافتہ تھے اس لیے وہ ان سب بزرگوں کے علم وحکمت کا نچوڑ ثابت ہوئے، اس لیے وہ اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے مکمل شارح بنے اور اُنھوں نے موقعہ بموقعہ اس مسلک کے علوم کو کہیں عقلی رنگ سے کہیں حسّی رنگ سے کہیں برہانی طرز استدلال کے رنگ سے اپنی تعلیم وتلقین اور کتاب وخطاب سے ظاہر کیا، جس سے یہ مسلک جامع انداز سے دنیا کے سامنے آیا اور اس کی جامعیت نمایاں ہوگئی کہ وہ نقل کے ساتھ عقل اور عقل کے ساتھ حس اور حس کے ساتھ استدلالی رنگ کا جامع ہے۔ اس لیے قاسم العلوم کے علم میں علمؒ کے ساتھ معرفت، حکم کے ساتھ حکمت، نقل کے ساتھ عقل معقول کے ساتھ محسوس، قانون کے ساتھ مصالح، شریعت کے ساتھ طریقت، ایمان کے ساتھ احسان، اثبات کے ساتھ دفاع یعنی دین کے ساتھ شوکت دین کے جذبات جمع کر کے اسے ایک معجون مرکب کی صورت سے حیات آفریں تریاقی رنگ میں پیش فرمایا، جو خالص الہام کے سرچشمہ سے نکلی ہوئی حقیقتیں تھیں اور حق تعالیٰ نے اپنے لامحدود جود وکرم سے ان کا طبعی مزاج ہی یہ بنا دیا کہ اگر وہ ایک جزوی مسئلہ کو بھی ثابت کرتے ہیں تو وہ بھی اصولِ کلیہ کے چولے میں نمایاں ہوتا ہے جس سے ایک جزئی ہی کا نہیں سینکڑوں جزئیات کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اپنے دور میں جب حضرت قاسم العلوم ہی دار العلوم دیوبند کے بنیادی فکر کے ہمہ اوست تھے جیسا کہ ان کے تلامیذ، ان کے رفیقوں اور اُن کے بزرگوں تک کی تصریحات ہیں تو دار العلوم کے مسلک میں بھی یہ الہامی شان نمایاں ہونی ناگزیر تھی جو ہوئی، اور واضح ہوگیا کہ اس کا مسلک اور مرکزی فکر اور دینی رُخ کسی سوچ بچار کا کوئی نتیجہ نہیں بلکہ الہام الٰہی کے بحرِ ذخار کا ایک قطرہ ہے، پس اگر یہ کہہ دیا جائے تو بلاخوفِ لومۃ لائم کہا جاسکتا ہے کہ دیوبندیت اوّلاً ولی اللّٰہیت اور ثانیاً قاسمیت کا نام ہے، محض پڑھانے کا نام نہیں اور اس میں ان علمی نسبتوں کے اجتماع کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ وہ محض مدرسہ نہیں بلکہ مدرسۂ فکر اور آج کل کی اصطلاح میں ایک مستقل مکتبِ خیال ہے۔

اس سے واضح ہے کہ دیوبندیت کوئی مذہب یا فرقہ نہیں جیسے معاندین اسے ایک مذہب یا فرقہ کا نام دے کر عوام کو اشتعال دلانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ مسلک اہل السنّت والجماعت کا ایک جامع مرقع اور مکمل ایڈیشن ہے جس میں اہل السنّت والجماعت کی ساری شاخیں اپنی اصل سے جُڑی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرحوم نے اس دیوبندیت کے بارے میں کیا خوب جامع جملہ استعمال فرمایا تھا جو انھیں کو زیب دیتا تھا جب کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ یہ دیوبندی کیا چیز ہے؟ یہ کوئی مذہب یا فرقہ؟ تو فرمایا کہ نہ مذہب ہے نہ فرقہ بلکہ ہر معقول پسند دین دار کا نام دیوبندی ہے۔ فللّٰہ درّہٗ ما قال۔

بہرحال مدرسۂ دیوبند کا مرکزی اور فکری اور بنیادی دینی رُخ یا مسلک اہل السنّت والجماعۃ کا ایک جامع، معتدل اور ہمہ گیر مسلک ہے جس میں سنت اور جماعت کے جمع ہو جانے سے اصول دین کی عظمت جو کتاب وسنت ہے اور شخصیات دین کا احترام جو فقہاء، محدثین، متکلمین، مفسرین، صوفیا اور اصولیین اور علماء ربانیین ہیں، دونوں جمع ہیں نہ اس میں اصول سے ہٹ کر اختراع وتجدد اور جدت پسندی ہے کہ بدعات ومحدثات کا دروازہ کھل جائے اور نہ شخصیات دین سے کٹ کر خود پسندی اور اعجاب رائے ہے کہ غرور و گھمنڈ اور کبر ونخوت کا باب مفتوح ہو جائے اور سلفِ صالح اور خلف عدول کی عظمت پاور ہوا ہو جائے، پس پہلے روگ کی روک تھام تو لفظ السنّت سے ہوتی ہے اور دوسری بیماری کی مدافعت لفظ الجماعۃ سے ہو جاتی ہے اور اس طرح یہ جامع اور معتدل مسلک ان تمام بیماریوں سے پاک ہوکر مدرسہ دیوبند اور اس کے ہم مشرب مدارس کے ذریعہ سے ہم تک صحیح سالم پہنچ گیا، ورنہ جس مسلک میں بھی افراط وتفریط ہے وہ انھیں دو لفظوں السنّت والجماعۃ کے فقدان یا کسی ایک کی کمی سے ہے، اگر سنت نہ ہو تو بدعت واحداث کا مسلک بن جائے گا اور الجماعۃ نہ ہو تو خود رائی، آزاد فکری اور بے باکی کا مسلک بن جائے گا اور انھی دو کوتاہیوں کا نتیجہ افراط وتفریط ہے۔

فسـاد کبیـر عـالـم متهتك   واکبـر مـنـه جـاهـل متنسك
هـمـا فتنة فی العـالـمین کبیرة   لمن بهـمـا فـی دینـه متمسك

نسبت قاسمی کے ان درخشاں آثار اور دارالعلوم کی اینٹ اینٹ میں انھیں جاری وساری دیکھ کر ایک نظم بعنوان ''تعبیر منام قاسمی'' بے ساختہ اس احقر کے قلم وقرطاس پر آگئی درحالیکہ نہ میں شاعر ہوں نہ شعر گوئی اپنا مشغلہ ہے، لیکن جذبات جب اُبھر کر منصۂ ظہور پر آنے کے متقاضی بن جاتے ہیں تو ان کے لیے فن شاعری نہ شرط ہوتا ہے نہ وہ اس کے پابند ہوتے ہیں، یہ نظم فارسی زبان میں ۱۷۸ اشعار پر مشتمل ہے، اس کے چند اشعار جو نسبتِ قاسمی اور دارالعلوم میں اُس کے رچے بسے ہوئے نیز دارالعلوم کے مرکزی فکر سے متعلق ہیں۔ چونکہ اس مقام کے مناسب محسوس ہوئے اس لیے ان کا پیش کر دیا جانا کسی اجنبی چیز کا فصل نہیں سمجھا گیا، بالخصوص وہی حقائق اس نثر میں بھی آپ کے سامنے آچکے ہیں تو ان کا نظم کے لباس میں آجانا کوئی جدید اضافہ نہیں صرف نوعیتِ ادا کا فرق ہے، اور وہ یہ ہیں:

نسبتِ قاسمی احسنت کہ ہنگامۂ دیں   از تو گرم است بدوراں چہ دفاع وچہ ہجوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسبتِ قاسمی اکرمت کہ دینِ فطرت
از تو پیداست بہرکس چہ عدول وچہ ظلوم

نسبتِ قاسمی انعمت کہ ایں نعمتِ کل
از تو پیداست برآفاق باندازِ عموم

نسبتِ قاسمی اعدلت کہ عدلِ اسلام
بری از فرط وفرط گشتہ ز توشد معلوم

نسبتِ قاسمی ارشدت کہ ارشاد و ہدیٰ
جاگرفت بقلوب از تو بتعدیلِ فہوم

نسبتِ قاسمی اَبصرت کہ فکرِ انجام
از توشد در دلِ عالم ز بصیرت مفہوم

نسبتِ قاسمی از تست ذکاءِ افہام
فہم از علق الٰہی ز تو تعدیلِ فہوم

نسبتِ جامع اخلاق و شؤنِ الفت
کہ ہمیں رحمت ونوراست دریں دارِ ظلوم

نسبت علم وعمل نسبتِ عشق و احوال
نسبت فقہ دروں نسبتِ اسرارِ علوم

نسبتِ علم و حیا نسبتِ الطاف وغنا
نسبت مہرووفا، نسبتِ عونِ مظلوم

نسبتِ صبروتوکل زرہِ صدق وعفاف
نسبتِ رحم وصلہ نسبتِ کسبِ معدوم

نسبتِ جودوسخا نسبتِ احسان وعطا
نسبتِ داروئے حرماں پئے دردِ محروم

نسبتِ عظمتِ اَخیار بحب اَخیار
نسبت شفقت و اکرام باندازِ عموم

انکسار و ادب و عجز و تواضع للّٰہ
نسبتے آنکہ مبرّاست ز کبرِ مذموم

آمدی نسبتِ جامع نوع کمال
از تو قاسم و علوم از درِقاسم مقسوم

نسبتت نسبتِ ممزوج بدین و ملک است
شدنمایاں ز تو معنیِ کلامِ معصوم

روز مملو بجہادت، بریاضت شبہا
قوتِ تست بایں ظاہر وباطن منظوم

بروز تو کفرکشی در شب تو نفس کشی
ہمتِ تست بآفاق و بانفس مضموم

جملہ اوصاف بہم کردہ بہ نسبت دادند
زیں سبب قاسمی نسبت شدہ جامع مفہوم

نسبت قاسمی مجموعہ ایں اوصاف است
بس ہمیں مکتبِ فکراست دریں دارالعلوم

ایں کہ رنگیست حکیمانہ دینِ اسلام
قاسم العلوم بناکردہ بریں دارالعلوم

☆☆☆

مدرسۂ دیو بند کے اس جامع اور معتدل فکر یا مسلک کو سامنے رکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس مسلکِ اعتدال کے تحت بانیٔ دارالعلوم کا مقصد اور مطمحِ نظر ہندوستان کے تمام مسالک حقہ اور اہلِ مسالک کو باہم جوڑنا تھا جب کہ اس وقت ملک میں جماعتی تشتت جزو مسالک بنا ہوا تھا اور سارے مسالک اور مسالک والے مسلکی تفاوت کی وجہ سے باہم دست وگریباں تھے۔ الا ماشاء اللہ ایک فقیہ صوفی کے خلاف تھا اور صوفی فقیہ کو محرومِ باطن، ظواہر پرست، بے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بصیرت اور زاہدِ خشک کہتا تھا اور فقیہ صوفی کو بے سند تخیلات اور بنامِ باطن ذہنی اوہام کا اسیر، دماغی گھمبیر میں مبتلا اور عقائدِ سلف سے منحرف شمار کرتا تھا اور محدث متکلم کا مخالف تھا اور متکلم محدثِ وقت کا، محدث متکلم کو اسیرِ عقل، مرغوب زمانہ، سلف اور سلفیت سے منحرف اور دین کو بنامِ کلام فلسفہ بنا دینے والا اور عقائدِ سلف سے محروم بلکہ تحریف کنندۂ دین بتلاتا تھا، اور متکلم محدث کو حافظِ لفظ کہہ کر لفظی تعبیرات میں گم، بندۂ ظواہر، حقائق سے نابلد، اصولِ کلیہ سے بے خبر، دین کی عقلی تعبیرات سے عاجز اور زبان ناشناس باور کیے ہوئے تھا وغیرہ وغیرہ۔

غرض مسلکی تفاوت مسلکی نزاع میں تبدیل ہو چکا تھا اور تفاوتِ مسلک نزاع میں تبدیل ہو چکا تھا اور تفاوتِ مشرب فرقہ بندی کی صورت اختیار کر چکا تھا، جس سے امت میں تشتت اور انتشار کے جراثیم پھیلے ہوئے تھے اور ہر ایک دوسرے کے ابطال بلکہ تکفیر تک پر آمادہ تھا، لیکن قاسم العلوم اور اُن کے دارالعلوم نے اپنے جامع مسلک میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام، تصوف، حقیقت اور معرفت جملہ دینی علوم و مقامات کو مختلف الالوان پھولوں کا ایک گلدستہ بنا کر (جس میں ہر ہر پھول اپنی اپنی کیار میں کھِلا ہوا اپنے اپنے مقام پر چسپاں تھا) ایسے جامع انداز سے پیش کیا کہ ان تمام مسلکی طبقات کے لیے ایک نقطہ پر جمع ہونے کی صورت پیدا ہوگئی اس لیے یہ فکر جس پر دارالعلوم کی بنیاد قائم ہے، اہلِ حق کے لیے جامع اور اہلِ باطل کے لیے قامع ثابت ہوا، جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی تعلیم کے تحت اس کے مسلک کے دو بنیادی عنصر ہیں، ایک فقہی اور کلامی یا بالفاظ مختصر علمی مسلک ہے، دوسرا تربیتی اور تہذیبی یا بالفاظ مختصر اخلاقی مسلک ہے اور یہ دونوں علمی اور اخلاقی مسلک کامل الاعتدال ہونے کی وجہ سے تمام مسالک کے مغز کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں، گویا تمام مسالک کی خوبیوں کا خلاصہ ہیں، اس لیے ان پر سارے علمی اور اخلاقی طبقات جمع ہو سکتے ہیں اور وہ ان کا مرکز اجتماع قرار پا سکتا ہے۔

سو جہاں تک علمی مسلک کا تعلق ہے اس کا مرجع الامر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ذات گرامی ہے جن پر منجانب اللہ یہ علمی مسلک الہامی طور پر وارد شدہ ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے اور وہ سارے علمی طبقات کے لیے اپنے کمالِ اعتدال اور جامعیت کی وجہ سے جیسے طبعاً مرکزِ کُل ہے ایسے ہی سارے اہلِ مسالک اگر انصاف سے کام لیں تو اس پر جمع ہو سکتے ہیں یا کم سے کم اسے اپنا مرکز تسلیم کر کے اس سے قریب ہو سکتے ہیں، مثلاً جہاں تک فقہاء امت اور ائمہ مجتہدین کے مختلف فقہی مذاہب کا تعلق ہے وہ احادیث کے ظاہری تعارض یا اختلاف سے پیدا شدہ اور کسی نہ کسی روایتِ حدیث پر مبنی ہیں۔

دارالعلوم کے فقہی مسلک کا اولین اصول یہ ہے کہ اَلْإِعْمَالُ اَوْلیٰ مِنَ الْإِهْمَالِ (کسی چیز کو کام میں لے آنا اس کے بیکار چھوڑ دینے سے بہتر ہے) دنیا کی خسیس سے خسیس چیز کو بھی دانش مند بیکار ضائع نہیں جانے دیتے چہ جائے کہ کسی اعلیٰ چیز کو مہمل چھوڑ کر ضائع کر دیں اور تمام اعلیٰ چیزوں میں اعلیٰ ترین شے کلام نبوت اور کلام خداوندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو اُس کے کسی بھی پہلو کو بیکار اور نا قابلِ عمل بنا دینا بلاشبہ اس مسلک کی فطرت کے خلاف ہے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ احادیثِ مختلفہ میں جو حدیث منشأ شارع علیہ السلام سے زیادہ اوفق اور اس سے اقرب ہوتی ہے اسے یہ پیروی امام ابوحنیفہؒ اصل مذہب قرار دے کر بقیہ تمام روایات کو اس کی ساتھ اپنے اپنے محل پر جوڑتے چلے جاتے ہیں، جس سے کوئی حدیث بھی خارج از عمل نہیں ہوتی، بالفاظ دیگر اُن کے یہاں جمع بین الروایات اصل ہے جس سے تطبیق وتوفیق کا راستہ پیدا ہوتا ہے، متخالف روایات کو ترک کیے بغیر معقول اور منقول توجیہ سے اصل روایت کے تابع بنا کر عمل کے دائرے میں لے آتے ہیں۔ بیکار بنا کر ضائع نہیں ہونے دیتے، تاکہ کلام پیغمبر کا کوئی بھی پہلو خارج از عمل نہ رہنے پائے حتی کہ حدیث مرسل کو بھی ترک کرنے کے بجائے اُس کی حجیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں اس لیے ائمہ ہدایت کے تفقہ سے پیدا شدہ کوئی بھی پہلو کسی بھی روایت کا مسلک سے باہر نہیں رہتا جسے ہم یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ تمام ائمہ کے فقہی مراتب بحیثیتِ مجموعی اس مسلک میں آ جاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ راجح ومرجوح یا افضل ومفضول یا اصل وفرع یا عزیمت ورخصت کا فرق نکل سکتا ہے، البتہ کہیں کہیں جائز وناجائز کا بھی فرق پیدا ہوتا ہے مگر قلیل ہو، اس سے فقہ حنفی کی جامعیت اور دوسرے فقہوں کے برحق ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خواہ وہ نصوص باہم متعارض ہوں یا ایک ہی نص کے دو پہلو فقہی طور پر متعارض ہوں اس لیے اجتہادی فروعات میں اختلاف تو ہو جاتا ہے مگر خلاف ونزاع کی کوئی شکل پیدا نہیں ہو سکتی کہ کسی فقہی مسلک سے اعراض یا گریز کی تہمت آئے، اس لیے ائمہ اجتہاد کی حقانیت وعظمت بھی ان کی شان کے مناسب قائم رہتی ہے اور ان کے فقہی مسلک کی صداقت و عظمت اور تعظیم وتوقیر میں بھی فرق نہیں آتا پھر یہ اختلاف بھی حق وباطل کا نہیں ہوتا کہ باعث کشمکش ہو بلکہ محض خطاء و صواب کا ہوتا ہے جن میں سے کوئی بھی پہلو اجر سے خالی نہیں اور ظاہر ہے کہ جب سارے فقہوں اور فقیہوں کے اجتہادات اس طرح ایک مرکز پر جمع ہو کر درجہ بدرجہ اپنے اپنے مقام ومرتبہ کے مناسب قائم رہتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ نزاع وجدال کے رخنے مسدود ہو جاتے ہیں بلکہ قدرِ مشترک کے طور پر ایک مابہ الاتحاد بھی پیدا ہو جاتا ہے جس کے تحت یہ سارے فقہ اور فقہی مراتب نہ صرف معتبر ہی ٹھہرتے ہیں بلکہ ایک مرکز پر سمٹ آتے ہیں جو اس مسلک کی جامعیت کی کھلی دلیل ہے۔ (جاری ہے)

علم وعمل، اخلاص اور خشیت کا ثمرہ

دنیا فانی ہے، موت سر پر ہے، انسان کو محتاط رہنا چاہیے نہ علم پر غرور ہو نہ مال پر، نہ تقویٰ وشیخی پر نہ دنیا پر کہ یہ سب چیزیں کچھ بھی نہیں عمل ضروری ہے۔ باتوں سے کام نہیں چلتا۔ علم وہ ہے جس سے عمل پیدا ہو، عمل وہ ہے جس میں اخلاص کی جان ہوا، اخلاص وہ ہے جس سے خوف وخشیت پیدا ہوا اور اگر خوف پیدا ہو تو عجز ودرماندگی پیدا ہوگی، سوئے گا تو جلدی اٹھ کر روئے گا اور گڑگڑائے گا، بدن پر ہر وقت خوف طاری ہوگا۔ (ارشادات مولانا عبدالغفور مدنی عباسیؒ)

© rasailojaraid.com